صریرخامہ
SAREER A KHAMA
TAFHEEM RESEARCH CENTRE
Category Y
ISSN Online: 3005-947X
ISSN Print: 3005-9461
Vol: 05, Issue 02 (April-June 2026)

عصرِ حاضر کے عائلی مسائل اور ان کا شرعی تصفیہ: طلاق، خلع، عدت، حضانت اور نفقہ کا تحقیقی مطالعہ

Contemporary Family Disputes and Their Shariah Settlement: A Research Study of Divorce, Khul', 'Iddah, Child Custody, and Maintenance

Muhammad Adnan
Ph.D Research Scholar, Dept. of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur. Email: hafizadnan319@gmail.com

Dr. Muhammad Yasir Madni
Lecturer, Dept. of Qur'anic Studies, The Islamia University of Bahawalpur. Email: muhammad.yasir@iub.edu.pk

Abstract:
Family structure serves as the cornerstone of human society, yet contemporary socio-economic transformations have led to a noticeable rise in domestic conflicts and matrimonial disputes. While modern legal frameworks offer various dispute resolution mechanisms, addressing family issues within Muslim societies requires a delicate balance between divine Shariah principles and contemporary legal realities. Key issues such as divorce, Khul‘, waiting period (‘Iddah), child custody, and financial maintenance often present complex legal, ethical, and social challenges that demand comprehensive scholarly examination. This study employs a qualitative and analytical research methodology to investigate contemporary family disputes and their Shariah-based settlements. It explores the juristic foundations and procedural mechanisms governing marriage dissolution—specifically divorce and Khul‘—alongside its post-dissolution consequences including ‘Iddah, child custody, and financial maintenance. Furthermore, the research critically evaluates current legal practices, contemporary Muslim family laws, and judicial trends to determine the extent to which modern settlements align with authentic Islamic jurisprudence.

The findings reveal that Islamic law provides a balanced, humane, and comprehensive framework for resolving matrimonial disputes, ensuring the protection of fundamental rights, human dignity, and the best interests of vulnerable parties, particularly women and children. The study concludes that many prevailing complications in family dispute resolutions stem from procedural delays, social stigmas, and cultural misinterpretations rather than Shariah principles themselves. The research highlights the necessity of reforming judicial mechanisms and promoting institutionalized reconciliation to ensure swift, equitable, and Shariah-compliant settlements in modern Muslim societies.

Keywords: Contemporary Family Disputes, Shariah Settlement, Divorce, Khul‘, ‘Iddah, Child Custody, Maintenance, Islamic Law, Modern Family Legislation, Legal Reform

تمہید:

خاندانی نظام انسانی معاشرت کا بنیادی ستون اور سماجی استحکام کا ضامن ہے۔ اسلامی شریعت نے شوہر اور زوجہ کے تعلق کو الفت، رحمت اور باہمی احترام کی بنیادوں پر استوار کیا ہے؛ تاہم انسانی طبعی اختلافات اور معاصر زندگی کی پیچیدہ معاشی و سماجی تبدیلیوں کے باعث بعض اوقات عائلی زندگی میں ناگواری اور تنازعات جنم لیتے ہیں۔ اسلام ان تنازعات کو حتی الامکان باہمی مصالحت اور خوش اسلوبی سے حل کرنے کی ہدایت دیتا ہے، لیکن جب تمام ترکوششوں کے باوجود نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو شریعت نے طلاق اور خلع کے ذریعے انحلالِ نکاح کا باوقار راستہ فراہم کیا ہے۔ نکاح کے اختتام کے بعد عدت کی پابندی، بچوں کی حضانت (پرورش) اور مطلقہ و اولاد کے نفقے (نان نفقہ) جیسے شرعی حقوق و فرائض ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں ان مسائل کا شرعی تصفیہ نہ صرف فقہی بلکہ جدید قانونی اور عدالتی نقطہ نظر سے بھی انتہائی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ یہ مقالہ اسی تناظر میں معاصر عائلی مسائل کی نوعیت، ان کے شرعی تصفیے کے اصولوں، اور طلاق، خلع، عدت، حضانت اور نفقہ کے فقہی و قانونی احکام کا ایک جامع اور تحلیلی جائزہ پیش کرتا ہے تاکہ جدید دور میں خاندانی حقوق کے تحفظ اور انصاف کی فراہمی کے لیے شرعی و قانونی رہنمائی کو واضح کیا جا سکے۔

طلاق کا لغوی معنی:

امام اللغت سید زبیدی طلاق کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عباب" میں ہے کہ عورت کی طلاق کے دو معنی ہیں: (1) نکاح کی گرہ کو کھول دینا (ب) ترک کر دینا چھوڑ دینا۔[1]

لسان العرب میں ہے کہ عثمان اور زید کی حدیث ہے: طلاق کا تعلق مردوں سے ہے اور عدت کا تعلق عورتوں سے ہے۔

طلاق کا اصطلاحی معنی :

علامہ ابن نجیم طلاق کا فقہی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رَفْعُ قَيْدِ النِّكَاحِ حَالًا أَوْ مَآلًا بِلَفْظٍ مَخْصُوصٍ فَخَرَجَ بِقَيْدِ النِّكَاحِ الْحِسِّيُّ، وَالْعِتْقُ وَبِاللَّفْظِ الْمَخْصُوصِ الْفَسْخُ لِأَنَّ الْمُرَادَ بِهِ مَا اشْتَمَلَ عَلَى مَادَّةِ الطَّلَاقِ صَرِيحًا وَكِنَايَةً۔[2]

الفاظ مخصوصہ کے ساتھ فی الفور یا از روئے مآل نکاح کی قید کو اٹھا دینا، طلاق ہے۔ الفاظ مخصوصہ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو مادہ طلاق پر صراحۃً یا کنایۃً مشتمل ہوں۔

ایک مجلس میں طلاقِ ثلاثہ کے متعلق آراء

نکاح کا مقصد نسل انسانی کا تحفظ، گناہوں سے بچنا اور نظام تمدن و معاشرت کی اصلاح ہے۔ طلاق سے یہ تمام مقاصد نہ صرف فوت ہو جاتے ہیں بلکہ مزید معاشرتی و نفسیاتی مسائل بھی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسلام میں طلاق کا جواز صرف ناگزیر حالات ہی میں روا رکھا گیا ہے کہ جب میاں بیوی کے تعلقات میں اتنا بگاڑ پیدا ہو جائے کہ اکٹھے رہنے میں کسی نقصان کا اندیشہ ہو اور اصلاح کی تمام ترکوششیں بے سود ہو گئی ہوں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالی کے نزدیک طلاق حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ شے قرار دی گئی ہے۔ طلاق کے جواز کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کے نان و نفقہ مانگنے پر بے گناہ طلاق دے دی جائے اور جن رشتوں کو اللہ تعالی نے قائم کیا ہے ان کو بلا وجہ کاٹ کر رکھ دیا جائے۔ یہ اللہ تعالی کو ہرگز پسند نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ يَصِلُونَ مَآ أَمَرَ ٱللَّهُ بِهِۦٓ أَن يُوصَلَ وَيَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ وَيَخَافُونَ سُوٓءَ ٱلۡحِسَابِ﴾[3]

اور جو لوگ ان سب (رشتوں) کو جوڑے رکھتے ہیں، جن کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے اور اپنے رب کی خشیت میں رہتے ہیں اور برے حساب سے خائف رہتے ہیں۔

صلہ رحمی کرنے (رشتوں کو جوڑنے) والے مومنین کو اللہ تعالی بہشت میں ایسا ٹھکانہ دے گا جس کا نقشہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ:

﴿جَنَّٰتُ عَدۡنٍ يَدۡخُلُونَهَا وَمَن صَلَحَ مِنۡ ءَابَآئِهِمۡ وَأَزۡوَٰجِهِمۡ وَذُرِّيَّٰتِهِمۡۖ وَٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ يَدۡخُلُونَ عَلَيۡهِم مِّن كُلِّ بَابٖ ٢٣ سَلَٰمٌ عَلَيۡكُم بِمَا صَبَرۡتُمۡۚ فَنِعۡمَ عُقۡبَى ٱلدَّارِ﴾[4]

(جہاں) سدا بہار باغات ہیں ان میں وہ لوگ داخل ہوں گے اور ان کے آباءواجداد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو بھی نیکوکار ہو گا اور فرشتے ان کے پاس (جنت کے ہر دروازے سے آئیں گے۔ انہیں خوش آمدید کہتے اور مبارک باد دیتے ہوئے کہیں گے:) تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کرنے کے صلہ میں، پس (اب دیکھو) آخرت کا گھر کیا خوب ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے صلہ رحمی کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ))[5]

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ رشتوں کو جوڑے۔

مبحث اول: طلاق کے متعلق آراء

نکاح اگرچہ خاندان کی بنیادی اکائی، اسلامی معاشرے کی بنیاد اور دو انسانوں کے ساتھ کا فطرتی بندھن ہے مگر بسا اوقات یہ رشتہ وبال بن جاتا ہے، اور حالات ایسے بن جاتے ہیں جن میں نکاح برقرار رکھنا ممکن نہیں رہتا اس لیے شریعت نے طلاق کی اجازت دی ہے مگر طلاق کو ناپسندیدہ عمل بھی قرار دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَبغَضُ الحَلَالِ إلى اللهِ عزَّ وجلَّ الطَّلَاقُ))[6]

حلال چیزوں میں اللہ کے نزدیک زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ روئے زمین پر اللہ تعالی نے طلاق سے زیادہ ناپسند چیز کو پیدا نہیں فرمایا۔ طلاق ایسا غیر معمولی اقدام ہے کہ جب کوئی آدمی، اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اللہ تعالی کا عرش ہل جاتا ہے۔ طلاق کے ایک بول سے جب رشتہ ازدواج ٹوٹتا ہے تو اس سے صرف خاندان کے دو فرد میاں بیوی ہی جدا نہیں ہوتے بلکہ خاندان کے کتنے ہی افراد کے تعلقات متاثر ہوتے ہیں۔ آپس میں دشمنی وعداوت کی ایسی بنیاد پڑ جاتی ہے جس کے اثرات بسا اوقات نسلوں تک کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ اگر میاں بیوی صاحب اولاد ہوں تو طلاق و تفریق اور جدائی کے نتیجہ میں اولاد کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔ وہ تعلیم وتربیت، ماں کی ممتا اور باپ کی نگرانی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ الغرض طلاق سے کئی پیچیدہ مسائل جنم لیتے ہیں اور کئی زندگیاں تلخ ہو جاتی ہیں، اس لئے شریعت اسلامی میں نکاح کی جس قدر ترغیب دی گئی اسی قدر طلاق کی مذمت بھی بیان کی گئی اور اسے ناپسندیدہ قرار دیا گیا۔ جب خاوند نے بیوی کے نفقہ کا وجوب اپنے ذمہ لے لیا ہو یا قاضی نے خاوند کو حکم سنایا ہو اس کے بعد خاوند بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کرے تو اس کے متعلق فقہاء کی مختلف آراء ہیں:

فقہاءِ احناف کا موقف:

اگر خاوند مالدار ہو اور اس کے پاس بظاہر مال موجود ہو تو قاضی خاوند کے مال کو جبراً فروخت کروا دے اور حاصل شدہ قیمت بیوی کو نفقہ کی صورت میں دے اگر بظاہر خاوند کے پاس مال نہ ہو لیکن مگر حقیقت وہ مالدار ہے تو قاضی بیوی کے مطالبہ پر خاوند کو حوالات میں قید کروا دے۔ کیونکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے مالدار آدمی کی ٹال مٹول ظلم ہے اس کی آبرو اور سزا حلال ہو جاتی ہے۔ خاوند کو قید وبند میں رکھا جائے تاوقتیکہ بیوی کا نفقہ دے اور اگر خاوند نفقہ نہ دے قاضی کو بھی خاوند کا عاجز ہونا ثابت ہو جائے تو اسے رہا کر دے جب تک کہ اس کے پاس مال آجائے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ﴾[7]

اور اگر خاوند تنگدست ہو تو اسے مہلت دینا ہے خوشحال ہونے تک۔

اور اگر خاوند تنگدست ہو تو اسے قید میں نہ رکھا جائے چونکہ وہ ظالم نہیں اور اس کو قید وبند میں رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور خاوند پر عائد کیا گیا نفقہ اس کے تنگدست ہونے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا بلکہ تا فراخی نفقہ اس پر قرض ہو گا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ﴾[8]

اور اگر خاوند تنگدست ہو تو اسے مہلت دینا ہے خوشحال ہونے تک۔

ایسی حالت میں احناف کے نزدیک قاضی بیوی کو اجازت دے کہ وہ قرض لیتی رہے اگرچہ خاوند قرضہ سے انکار کرتا ہو، قرضہ لینے کی اجازت کا فائدہ یہ ہے کہ قرض دہندہ خاوند یا بیوی سے بعد میں قرضہ وصول کر سکے۔ اور قرض لیا ہوا نفقہ زوجین میں سے کسی ایک کی موت پر ساقط نہیں ہوتا۔ خاوند پر بیوی کے علاوہ جن افراد کا نفقہ واجب ہو اس کے لیے قرضہ لینا بیوی پر واجب ہے اگر خاوند قرضہ سے انکار کرتا ہو تو قاضی خاوند کو ڈانٹ ڈپٹ کے بعد قید کرنے کا حکم دے۔

فقہائے مالکیہ کا موقف:

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أَرَأَيْتَ الْمَرْأَةَ إِذَا خَاصَمَتْ زَوْجَهَا فِي النَّفَقَةِ، كَمْ يُفْرَضُ لَهَا، نَفَقَةَ سَنَةٍ أَوْ نَفَقَةَ شَهْرٍ بِشَهْرٍ؟قَالَ: لَمْ أَسْمَعْ مِنْ مَالِكٍ فِيهِ شَيْئًا، قُلْتُ: أَرَأَيْتَ النَّفَقَةَ عَلَى الْمُوسِرِ .وَلَكِنِّي أَرَى ذَلِكَ عَلَى اجْتِهَادِ الْوَالِي فِي عُسْرِ الرَّجُلِ وَيُسْرِهِ، وَلَيْسَ كُلُّ النَّاسِ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ وَعَلَى الْمُعْسِرِ كَيْفَ هِيَ فِي قَوْلِ مَالِكٍ؟قَالَ: أَرَى أَنْ يُفْرَضَ لَهَا عَلَى الرَّجُلِ عَلَى قَدْرِ يَسَارِهِ وَقَدْرِ شَأْنِ الْمَرْأَةِ وَعَلَى الْمُعْسِرِ أَيْضًا يَنْظُرُ السُّلْطَانُ فِي ذَلِكَ عَلَى قَدْرِ حَالِهِ وَعَلَى قَدْرِ حَالِهَا قُلْتُ: فَإِنْ كَانَ لَا يَقْدِرُ عَلَى نَفَقَتِهَا؟قَالَ: يَتَلَوَّمُ لَهُ السُّلْطَانُ فَإِنْ قَدَرَ عَلَى نَفَقَتِهَا وَإِلَّا فَرَّقَ بَيْنَهُمَا۔[9]

آپ کا کیا خیال ہے عورت کے بارے میں جب وہ اپنی خاوند سے نفقہ کے بارے جھگڑا کرے تو کتنی مدت کا نفقہ اس کے لیے مقرر کیا جائے گا ایک سال کا نفقہ یا مہینوں کے اعتبار سے نفقہ ؟ کہا کہ میں نے مالک سے اس کے متعلق کچھ نہیں سنا اور لیکن میرا خیال یہ ہے کہ نفقہ کا مقرر کرنا حاکم کے اجتہاد پر قائم ہو گا، خاوند کے تنگدست یا خوشحال ہونے کی صورت میں اور لیکن سارے لوگ اس میں برابر نہیں ہیں۔ میں نے کہا امام مالک کے قول کے مطابق خوشحال پر کتنا نفقہ لازم اور تنگدست پر کتنا واجب ہو گا۔ تو فرمایا: میرا خیال ہے کہ نفقہ مرد پر اس کے خوشحالی کے مطابق مقرر کیا جائے گا اور عورت کی شان کے لائق جو مناسب ہو گا

اور تنگدست کا بھی یہی حکم ہے حاکم اس میں بھی مرد اور عورت دونوں کی حالت کو دیکھے گا میں نے کہا اگر مرد عورت کے نفقہ پر قادر نہ ہوا تو؟ فرمایا حاکم اس کو عورت کے نفقہ کے لیے مجبور کرے اگر وہ نفقہ دینے پر قادر ہو گیا تو فبہا ورنہ وہ دونوں میں تفریق کر دے گا۔

فقہائے شوافع کا موقف:

ابوزکریا محی الدین یحی بن شرف النووی لکھتے ہیں:

فإنه إذا كان الزوج موسرا فصار معسرا فإنه ينفق على زوجته نفقة المعسر، ولا يثبت لها الخيار في فسخ النكاح، لان بدنهايقوم بنفقة المعسر وان أعسر بنفقة المعسر كانت بالخيار بين أن تصبر وبين أن تفسخ النكاح، وبه قال عمر وعلي وأبو هريرة وابن المسيب والحسن البصري وحماد بن أبى سلمة وربيعة ومالك وأحمد وقال عطاء والزهرى والثوري وأبو حنيفة وأصحابه: لا يثبت لها الفسخ، بل يرفع يده عنها لتكتسب۔[10]

جب خاوند پہلے خوشحال تھا پھر تنگدست ہو گیا تو اپنی بیوی پر تنگدست کے اخراجات استعمال کرے گا اور بیوی کو اس معاملہ میں فسخ نکاح کا اختیار نہیں کیونکہ اس کا بدن تنگدست کے نفقہ کے ساتھ قائم ہو گا اور اگر وہ تنگدست کے اخراجات دینے سے بھی زیادہ تنگ ہو گیا تو عورت کو اختیار ہے کہ چاہے تو صبر کرے یا نکاح فسخ کر دے اور اس کے متعلق ارشاد فرمایا حضرت عمر، علی، ابوھریرہ، ابن المسیب، حسن بصری، حماد بن ابی سلمہ، ربیعہ، مالک، احمد رحمۃ اللہ علیہم اور عطاء، زہری، ثوری، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا کہ عورت کو فسخ کا اختیار نہیں بلکہ مرد اپنا ہاتھ اس سے کھینچ لے تاکہ وہ خود روزی کما سکے۔

فقہائے حنابلہ کا موقف:

ابن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ويرجع في تقدير الواجب إلى اجتهاد الحاكم، أو نائبه، إن لم يتراضيا على شيء، فيفرض للمرأة قدر كفايتها من الخبز والأدم، فيفرض للموسرة تحت الموسر قدر حاجتها، من أرفع خبز البلد الذي يأكله أمثالهما، وللمعسرة تحت المعسر قدر كفايتها، من أدنى خبز البلد، وللمتوسطة تحت المتوسط من أوسطه، لكل أحد على حسب حاله۔[11]

نفقہ مقرر کرنے میں حاکم یا اس کے نائب کے اجتہاد سے فائدہ حاصل کیا جائے گا اگر دونوں (میاں بیوی) کسی چیز پر راضی نہیں ہوتے تو عورت کے لیے بقدر کفایت نفقہ مقرر کیا جائے گا خوشحال کی بیوی کے لیے خوشحالی والا نفقہ مقرر کیا جائے گا اور تنگدست کی بیوی کو تنگدستی والا بقدر کفایت نفقہ مقرر کیا جائے گا اور متوسط درجہ مرد کی بیوی کے لیے متوسط درجے کا نفقہ مقرر کیا جائے گا ہر ایک کے لیے اس کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔

ابن قدامہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

فإن منعها ما يجب لها، أو بعضه، وقدرت له على مال، أخذت منه مقدار حاجتها بالمعروف، كما «قال النبي - صلى الله عليه وسلم - لهند حين قالت: إن أبا سفيان رجل شحيح، وليس يعطيني من النفقة ما يكفيني وولدي. فقال: خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف» وجملته أن الزوج إذا لم يدفع إلى امرأته ما يجب لها عليه من النفقة والكسوة، أو دفع إليها أقل من كفايتها، فلها أن تأخذ من ماله الواجب أو تمامه، بإذنه وبغير إذنه۔[12]

اگر خاوند بالکل ہی اس کو نفقہ نہ دے اور عورت اس سے مال لینے پر قادر ہو تو مناسب طریقے سے اپنی ضرورت کے مطابق لے سکتی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ھند سے فرمایا جب اس نے کہا ابوسفیان ایک کنجوس آدمی ہے وہ مجھے اتنا نفقہ نہیں دیتا جتنا مجھے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: لے لو اتنا جتنا تجھے اور تیرے بچوں کے لیے کفایت کر جائے۔ یعنی خاوند اگر بیوی کو اس کی ضروریات زندگی کی چیزیں مثلاً نفقہ اور کپڑے وغیرہ نہ دے یا اگر دے تو بقدر کفایت سے کم مقدار میں دے تو عورت کو اختیار ہے کہ اس کے مال سے بقدر ضرورت یا سارا مال لے اس کی اجازت سے یا اس کی اجازت کے بغیر۔

نان، نفقہ، سکنہ اور زوجیت کا حصول بیوی کا حق اور شوہر کے ذمہ فرض ہے۔ مالی حالات کے مطابق کھانے، پینے، ضروریات زندگی اور رہائش کی اچھی سہولیات فراہم کرنا شوہر کے ذمہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ،وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي))[13]

تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے اچھا ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے اچھا ہوں۔

گھر کے خوشگوار ماحول کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں، خوش خلقی کا معاملہ کریں، نرمی اور شیریں زبان اختیار کریں اور اگر کوئی ناگوار بات پیش آئے تو اس کو برداشت کر لیں۔ خصوصاً مرد کا فرض ہے کہ وہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے۔ عورت فطرتاً کمزور اور جذباتی ہوتی ہے، اس کی کمزوری کی رعایت کرے۔ رسول اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں عورتوں کے بارے میں خصوصی تاکید اور وصیت فرمائی، اس کا لحاظ رکھے۔

اگر شوہر کے مالی حالات ناگفتہ بہ ہوں تو بیوی کا فرض ہے کہ اس کے ساتھ تعاون کرے اور ٹھاٹھ باٹھ کی بجائے سادہ زندگی پر اکتفاء کرے۔ بلاوجہ طلاق لینا یا طلاق دینا شرعاً ناپسندیدہ عمل ہے مگر اسلام نے اس کی کوئی جسمانی سزا حداً مقرر نہیں کی، البتہ شوہر کو حکم دیا ہے کہ ازدواجی زندگی کے دوران بیوی کو دیے ہوئے اموال و اسباب طلاق کی صورت میں بیوی سے واپس نہ لے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَ آتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوامِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾[14]

اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو، کیا تم ناحق الزام اور صریح گناہ کے ذریعے وہ مال (واپس) لینا چاہتے ہو۔

گویا طلاق دینے پر شوہر کی شرعی سزا مالی سزا ہے کہ جو کچھ اس نے بیوی کو دیا ہے وہ واپس نہیں لے سکتا، اور بلاوجہ طلاق دے کر اس نے ظالمانہ اقدام اٹھایا ہے اس کے لیے وہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہے، لیکن دنیا میں اس کی کوئی جسمانی سزا مقرر نہیں کی گئی۔ ریاست بلاوجہ طلاق دینے کو جرم قرار دیکر اس پر کوئی تعزیر مقرر کر سکتی ہے اور سزا دے سکتی ہے۔

عدالتی خلع ، نفاذ طلاق اور عدت کے متعلق آراء

خلع

1(خلع) بیوی کی طرف سے طلاق کا تحریری مطالبہ ۔

شادی کے بعد عورت کا بلا وجہ شوہر سے ناراض ہو کر میکہ میں رہنا اور شوہر کے بلانے کے باوجود نہ آنا سخت گناہ ہے، احادیث مبارکہ میں ایسی عورت کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں، اور جو عورت شوہر کی فرماں برداری اور اطاعت کرے اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

((إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه فأبت فبات غضبان لعنتها الملائكة حتى تصبح))[15]

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی مرد اپنی عورت کو ہم بستر ہونے کے لیے بلائے اور وہ انکار کر دے، اور پھر شوہر (اس انکار کی وجہ سے) رات بھر غصہ کی حالت میں رہے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

اسی طرح عورت کا شدید مجبوری کے بغیر شوہر سے طلاق یا خلع کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے، حدیث مبارک میں آتا ہے کہ جو عورت بغیر کسی مجبوری کے اپنے شوہر سے طلاق کا سوال کرے اس پر جنت کی خوش بو حرام ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أيما امرأة سألت زوجها طلاقا في غير ما بأس، فحرام عليها رائحة الجنة))[16]

کوئی بھی عورت (جو) اپنے شوہر سے بغیر کسی وجہ کے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے تو اس پر جنت کی خوشبو سونگھنا (بھی) حرام ہو جاتا ہے۔

لہٰذا بیوی کا یہ طرزِ عمل شرعاً درست نہیں تاہم جب بیوی کے مطالبہ پر اسے ایک صریح طلاق دے دی گئی تو اس سے بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہو گی، بیوی کی عدت (مکمل تین ماہواریاں اگر حمل نہ) میں مرد کو رجوع کا حق ہے، عدت میں رجوع کر لینے سے نکاح برقرار رہے گا، اور اگر عدت میں رجوع نہیں کیا تو بیوی کی عدت ختم ہوتے ہی نکاح ختم ہو جائے گا، اس کے بعد باہمی رضامندی سے دوبارہ ساتھ رہنے کے لیے نئے مہر کے ساتھ دوبارہ عقد نکاح کرنا ہو گا، اور آئندہ کے لیے شوہر کو دو طلاقوں کا اختیار حاصل ہو گا۔ چونکہ بیوی کا تحریراً طلاق کا مطالبہ کرنا خلع کے ہی زمرہ میں آتا ہے لہٰذا خلع کے احکام و مسائل کو بیان کیا جاتا ہے۔

خلع کے احکام:

خلع کا لغوی تعریف: علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ خلع کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الخلع لغة: النزع والإزالة، وعرفا بضم الخاء: إزالة الزوجية۔[17]

لغوی اعتبار سے خلع اتارنے اور ازالہ کرنے کو کہتے ہیں اور عرف میں خلع زوجیت ختم کرنے کو کہتے ہیں۔

خلع کی اصطلاحی تعریف:

فقہاء کرام نے اس کی الگ الگ تعریفیں کی ہیں۔ احناف خلع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو إزالة ملك النكاح المتوقفة على قبولها، بلفظ الخلع أو ما في معناه۔[18]

ملک نکاح کو لفظ خلع یا جو اس کے ہم معنی الفاظ ہیں سے ختم کرنا جو کہ عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہے۔

مالکیہ کے نزدیک خلع کی تعریف یوں ہے:

الطلاق بعوض، سواء أكان من الزوجة أم من غيرها من ولي أو غيره، أو هو بلفظ الخلع۔[19]

خلع عوض کے ساتھ طلاق دینا ہے زوجہ کی طرف سے ہو یا غیر کی طرف سے یعنی ولی یا کسی اور کی طرف سے یا وہ لفظ خلع کے ساتھ ہو۔

شوافع خلع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو فرقة بين الزوجين بعوض بلفظ طلاق أو خلع، كقول الرجل للمرأة: طلقتك أو خالعتك على كذا، فتقبل۔[20]

خلع کا لفظ طلاق یا لفظ خلع کے ساتھ عوض کے بدلے زوجین میں تفریق ہونا جیسے مرد کا بیوی کو کہنا میں نے تجھے طلاق دی یا تجھ سے خلع کیا اتنے مال پر اور عورت قبول کرلے۔

خلع کی مشروعیت:

اخلاقی اور معاشی حقوق کی پامالی یا جنسی جذبات وخواہشات کی تکمیل میں شوہر کی طرف سے رکاوٹیں آرہی ہوں اور عورت ناقابل تحمل مشقتوں کی شکار ہوگئی ہو تو آخری چارہ کار کے طور پر عورت اپنے شوہر سے اپنا مہر دین معاف کر کے یا کچھ لے دے کے شوہر سے چھٹکارا حاصل کر سکتی یعنی خلع لے سکتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ شوہر بھی اس پر راضی ہو۔ کیونکہ خلع دیگر عقود کی طرح ایک عقد و معاملہ ہے جس میں فریقین کی رضامندی سے یہ معاملہ منعقد ہو سکتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيمَا ٱفۡتَدَتۡ بِهِۦۗ﴾[21]

تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس میں کہ عورت بدلہ دے کر چھوٹ جائے۔

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ أَن يُصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحٗاۚ﴾[22]

تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر کہ کرلیں آپس میں کسی طرح صلح۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ طلاق ہی کی طرح محض لذت اندوزی کے طور پہ خلع کا مطالبہ کرنا بھی ناجائز اور قبیح عمل ہے۔ اور ایسا کرنے والی خاتون اللہ تعالیٰ کی نظر میں ملعونہ ہے اور جنت کی خوشبو سونگھنے تک سے محروم رہے گی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((وروِيَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا مِنْ غَيْرِ بَأْسٍ لَمْ تَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ))[23]

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جو عورت بلاوجہ اپنے شوہر سے خلع حاصل کرے وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گی۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ «أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ،ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أَعْتِبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ وَلَكِنِّي أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ،فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ؟ قَالَتْ: نَعَمْ،قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً))[24]

عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ ثابت بن قیس کی زوجہ نے نبی مکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ یا رسول اللہ ثابت بن قیس کے اخلاق و دین کی نسبت مجھے کچھ کلام نہیں (یعنی ان کے اخلاق بھی اچھے ہیں اور دیندار بھی ہیں) مگر اسلام میں کفران نعمت کو میں پسند نہیں کرتی (یعنی بوجہ خوبصورت نہ ہونے کے میری طبیعت ان کی طرف مائل نہیں) تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا آپ اس کا باغ (جو مہر میں تجھ کو دیا ہے) واپس کر دو گی؟ عرض کی، ہاں۔ آپ نے ثابت بن قیس سے فرمایا: باغ لے لو اور اسے ایک طلاق دیدو۔

خلع کی شرائط :

خلع میں درج ذیل شرائط ہیں:

ڈاکٹر وھبہ زحیلی خلع کی شرائط درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أهلية الزوج لإيقاع الطلاق: بأن يكون بالغاً عاقلاً في رأي الجمهور، وأجاز الحنابلة أن يكون مميزاً يعقله، فكل من لا يصح طلاقه لا يصح خلعه كالصبي والمجنون والمعتوه ومن اختل عقله لمرض أو كبر سن.[25]

1۔ شوہر طلاق واقع کرنے کا اہل ہو بایں طور کہ وہ بالغ ہو عاقل ہو، جمہور کے ہاں اور حنابلہ نے اجازت دی ہے کہ سمجھدار عقلمند ہو لہٰذا ہر وہ جس کی طلاق صحیح نہیں اس کا خلع بھی صحیح نہیں جیسے بچہ، مجنون، معتوہ اور وہ جس کی عقل میں بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے فتور آ گیا ہو۔

كون الزوجة محل الخلع وقابلته ممن عقد عليها عقد زواج صحيح، سواء أكانت مدخولاً بها، أم لا، ولو كانت مطلقة رجعياً ما دامت في العدة، وأن تكون ممن يصح تبرعها أو يطلق تصرفها في المال، بكونها مكلفة (بالغة عاقلة) غير محجور عليها، وأسباب الحجر خمسة: الرق والسفه والمرض والصبا والجنون، فلا يصح خلع الأمة إلا بإذن سيدها، ولا السفيهة اتفاقاً، ولا المريضة عند الشافعية والحنابلة لعدم صحة تصرفهما بالمال.[26]

2۔ عورت خلع کا محل ہو۔

اور خلع کے قابل ہو جس پر نکاح صحیح کا عقد کیا جا سکتا ہے چاہے مدخول بہا ہو یا نہ اگرچہ وہ مطلقہ رجعیہ ہو اور عدت میں اور وہ ہو جس کا تبرع صحیح ہو یا مال میں تصرف کا حق مطلق ہو کہ مکلفہ اور اس پر کوئی پابندی نہ ہو اور پابندی اور رکاوٹ کے پانچ سبب ہیں غلامی، بیوقوفی، مرض، بچپنہ، جنون باندی کا خلع

درست نہیں مگر یہ کہ اس کا آقا اجازت دے دے اور نہ ہی بے وقوف عورت کا بالاتفاق خلع درست نہیں اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مریضہ کا خلع صحیح نہیں کیونکہ مال میں اس کا تصرف صحیح نہیں۔

وقال الحنفية: يصح خلع المريضة، ولو اختلعت في مرضها فهو من الثلث [27]۔

احناف نے فرمایا مریضہ کا خلع درست ہے اگر اس نے بیماری کی حالت میں خلع کیا تو وہ ثلث میں سے ہو گا۔

وقال المالكية: يحرم اختلاع المريضة مرض الموت، فيحرم عليها أن تخالع، كما يحرم الخلع على الزوج لإعانته لها على الحرام۔[28]

مالکیہ کے نزدیک مرض الموت والی مریضہ سے خلع حرام ہے اسی طرح اس کا خود خلع کرنا بھی حرام ہے جیسا کہ شوہر پر خلع کرنا بھی حرام ہے۔

وقال الشافعية: إن خالعت الزوجة في مرض موتها وماتت: فإن لم يزد العوض على مهر المثل اعتبر من رأس المال۔[29]

شوافع کے نزدیک اگر عورت نے مرض الموت میں خلع کیا اور مر گئی اگر مہر مثل سے زیادہ عوض نہ رکھا تھا تو پھر اصل مال سے اس کا اعتبار ہو گا۔

3۔ بدل خلع ایسی چیز جو مہر بن سکتی ہے:

وهو عند الحنفية: أن يكون مالاً متقوماً موجوداً وقت الخلع معلوماً أو مجهولاً أو منفعة تقوم بالمال۔[30]

احناف کے ہاں مال منقول ہو اور خلع کے وقت موجود ہو باقی معلوم ہو یا مجہول، یا ایسی منفعت جس کی مال سے قیمت لگائی جا سکے۔

والبدل عند الجمهور: كل ما يصح تملكه، سواء أكان مالاً عيناً، أم ديناً، أم منفعة، تحرزاً من الخمر والخنزير وما أشبه ذلك. فإن خالعها بمحرم كخمر أو خنزير أو مغصوب أو مسروق، فلا شيء له عليها۔[31]

جمہور کے ہاں بدل ہر وہ چیز بن سکتی ہے جس کا مالک ہونا درست ہو چاہے عین مال ہو، یا دین ہو، یا منفعت ہو شراب خنزیر اور ان کے مشابہ چیزوں سے بچتے ہوئے اگر عورت سے کسی حرام چیز پر خلع کیا جیسے شراب، خنزیر، غصب شدہ چیز، چوری شدہ چیز تو مرد کے لیے ان میں سے عورت پر کچھ بھی نہیں۔

وبانت منه عند المالكية والحنابلة كما قرر الحنفية، ويكون كالخلع بلا عوض۔[32]

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں احناف کی طرح عورت بائنہ ہو جائے گی اور بغیر عوض خلع کی طرح ہو گا۔

وذكر الشافعية: أنه لو خالع بمجهول أو حرام، بانت منه بمهر المثل؛ لأنه المراد عند فساد العوض. ولو خالع بما ليس بمال كالدم، وقع الطلاق رجعياً.[33]

شوافع نے فرمایا: اگر شوہر مجہول یا حرام چیز پر خلع کرے تو اس سے عورت مہر مثل کے ساتھ بائنہ ہو گی اس لیے کہ یہی عوض کے فاسد ہونے کے وقت مراد ہے لیکن اگر اس نے ایسی چیز پر خلع کیا جو مال نہیں مثلاً خون پر تو طلاق رجعی واقع ہو گی۔

بعض مذاہب میں خلع کی مجمل شرائط ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

خلع کا طریقہ:

یہ ہے کہ بیوی خلع کے بدلے مہر معاف کر دے یا کوئی اور چیز بدل خلع کے طور پر دیدے اور شوہر اس کے بدلے خلع یا طلاق وغیرہ کے ذریعہ بیوی کو اپنی زوجیت سے نکال دے، خلع تراضی طرفین (باہمی رضامندی) سے ہوتا ہے، بغیر تراضی طرفین کے خلع درست نہیں۔

فقہاء احناف کا موقف:

علامہ علی بن عثمان مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به " لقوله تعالى: {فَلا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ} [البقرة: 229]"فإذا فعلا ذلك وقع بالخلع تطليقة بائنة ولزمها المال " لقوله عليه الصلاة والسلام: " الخلع تطليقة بائنة " ولأنه يحتمل الطلاق حتى صار من الكنايات والواقع بالكنايات بائن إلا أن ذكر المال أغنى عن النية هنا ولأنها لا تسلم المال إلا لتسلم لها نفسها وذلك بالبينونة " وإن كان النشوز من قبله يكره له أن يأخذ منها عوضا " لقوله تعالى: {وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ} إلى أن قال {فَلا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئاً} [النساء: من الآية20] ولأنه أوحشها بالاستبدال فلا يزيد في وحشتها بأخذ المال " وإن كان النشوز منها كرهنا له أن يأخذ منها أكثر مما أعطاها.[34]

اور جب میاں بیوی باہم جھگڑا کریں اور دونوں کو یہ ڈر ہو کہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو کوئی اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت اس کو اپنی جان کا فدیہ دے دے ایسے مال کے ساتھ جس کے ذریعہ شوہر اس کو خلع دے۔ دلیل قول باری تعالی ہے: فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ یعنی ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت اس کو فدیہ دیدے۔ تو جب شوہر اور بیوی نے ایسا کر لیا تو خلع کی وجہ سے ایک طلاق بائن واقع ہو گئی اور عورت پر مال لازم ہو گا کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے: خلع دینا ایک طلاق بائنہ ہے اور اس لیے بھی کہ خلع دینا طلاق کا احتمال رکھتا ہے یہاں تک کہ وہ کنایہ کی طلاقوں میں سے ہو گیا اور کنایات طلاق سے جو طلاق واقع ہوتی ہے وہ بائنہ ہوتی ہے مگر یہاں مال کے ذکر نے نیت سے بے نیاز کر دیا اور اس لیے کہ عورت مال کی ذمہ داری قبول نہیں کرتی مگر اس لیے کہ اس کی جان اس کے قبضہ میں ہو جائے اور یہ بائنہ ہونے سے ہو گا۔ اور اگر زیادتی شوہر کی طرف سے ہو تو شوہر کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ بیوی سے عوض لے۔ کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان: "اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بدلنا چاہو"، یہاں تک کہ فرمایا تو اس میں سے کچھ مت لو اور اس لیے کہ شوہر نے بیوی بدلنے کے ساتھ اس کو وحشت میں ڈال دیا تو مال لے کر اس کی وحشت میں اضافہ نہ کرے۔ اور اگر زیادتی عورت کی جانب سے ہو تو ہم شوہر کے لیے یہ ناپسند کرتے ہیں کہ بیوی سے اس سے زیادہ لے جو اس کو دے چکا ہے۔

یعنی اگر شوہر کی طرف سے زیادتی اور ناگواری کا اظہار ہو تو شوہر کے لیے بدل خلع کے طور پر عورت سے مہر سے کچھ لینا ناپسندیدہ ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿وَإِنْ أَرَدتُّمُ ٱسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَءَاتَيْتُمْ إِحْدَىٰهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا۟ مِنْهُ شَيْـًٔا ۚ أَتَأْخُذُونَهُۥ بُهْتَـٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾[35]

اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو، کیا تم ناحق الزام اور صریح گناہ کے ذریعے وہ مال (واپس) لینا چاہتے ہو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے سابقہ بیوی کی جگہ دوسری بیوی کو لا کر اس کو وحشت میں ڈال دیا ہے اس لیے اب اس سے مال لے کر مزید وحشت میں نہ ڈالا جائے۔ اور اگر عورت کی جانب سے زیادتی اور شرارت ہو تو مقدار مہر تک لینا شوہر کے لیے جائز ہے مگر مہر کی مقدار سے زیادہ وصول کرنا مکروہ ہے۔ خلع کی حیثیت طلاق بائن کی ہے، لہذا خلع لینے سے بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ،أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «جَعَلَ الْخُلْعَ تَطْلِيقَةً بَائِنَةً»))[36]

حضرت عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے خلع کو ایک طلاق بائن قرار دیا۔

علامہ شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں:

والخلع جائز عند السلطان وغيره لانہ عقد يعتمد التراضی۔[37]

اور خلع سلطان (حاکم) کے پاس بھی جائز ہے، اور اس کے علاوہ بھی۔ اس لئے کہ یہ ایسا عقد ہے جس کی ساری بنیاد باہمی رضامندی پر ہے۔

فقہاء مالکیہ کا موقف:

علامہ ابو الولید باجی مالکی رحمۃ اللہ علیہ موطاء امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

وتجبر علی الرجوع اليہ ان لم يرد فراقها بخلع أو غيره۔[38]

عورت کو شوہر کے پاس جانے پر مجبور کیا جائے گا اگر شوہر خلع وغیرہ کے ذریعہ علیحدگی نہ چاہتا ہو۔

اور علامہ ابن رشد مالکی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

واما ما يرجع الی الحال التی يجوز فيها الخلع من التی لا يجوز فان الجمهور علیٰ أن الخلع جائز مع التراضی اذا لم يكن سبب رضا هما بما تعطيہ اضراره بها۔[39]

رہی یہ بات کہ خلع کون سی حالت میں جائز ہوتا ہے اور کون سی حالت میں ناجائز، تو جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ خلع باہمی رضامندی کے ساتھ جائز ہے، بشرطیکہ عورت کے مال کی ادائیگی پر راضی ہونے کا سبب مرد کی طرف سے اسے تنگ کرنا نہ ہو۔

فقہاء شوافع کا موقف:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

لأن الخلع طلاق فلا يكون لأ حدأن يطلق عن احدأب ولا سيد ولا ولى ولا سلطان۔[40]

اس لئے کہ خلع طلاق کے حکم میں ہے، لہذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے کی طرف سے طلاق دے، نہ باپ کو یہ حق ہے، نہ آقا کو، نہ سرپرست کو اور نہ حاکم کو۔

اور علامہ ابواسحٰق شیرازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لا ن رفع عقد بالتراضى جعل لدفع الضرر فجاز من غير ضرر كالا قالة فى البيع۔[41]

اس لئے کہ یہ (خلع) باہمی رضامندی سے عقد نکاح کو ختم کرنے کا نام ہے جو ضرر دور کرنے کے لئے مشروع ہوا ہے، لہذا جہاں کسی فریق کو ضرر نہ ہو وہاں (بدرجہ اولی) جائز ہے، جیسے کہ بیع میں اقالہ (واپسی)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی خلع کو فسخ نکاح مانتے ہیں، طلاق نہیں کہتے، لیکن یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قدیم قول ہے اور آخری قول یہی ہے کہ خلع طلاق ہے۔[42]

فقہاء حنابلہ کا موقف:

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ولا يفْتقِرُ الخُلْعُ إلى حاكمٍ. نَصَّ عليه أحمدُ، فقال: يجوزُ الخُلْعُ دونَ السُّلطانِ. ورَوى البُخارىُّ ذلك عن عمرَ، وعثمانَ، رَضِىَ اللَّهُ عنهما. وبه قال شُرَيْحٌ، والزُّهْرِىُّ، ومَالِكٌ، والشَّافعىُّ، وإسحاقُ، وأهلُ الرَّأْىِ. وعن الحسنِ، وابن سيرينَ: لا يجوزُ إلَّا عندَ السُّلطانِ. ولَنا، قولُ عمرَ وعثمانَ، ولأنَّه مُعَاوَضَةٌ، فلم يَفتقِرْ إلى السُّلطانِ، كالبيعِ والنِّكاحِ، ولأنَّه قَطْعُ عَقْدٍ بالتَّراضِى، أشْبَهَ الإقالةَ۔[43]

خلع کے لیے حاکم کی ضرورت نہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے، چنانچہ کہا ہے کہ خلع بغیر سلطان کے جائز ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی مذہب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نقل کیا ہے، اور امام شریح رحمۃ اللہ علیہ، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ اور اہل رائے کا بھی یہی قول ہے۔ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ خلع صرف حاکم کے پاس ہو سکتا ہے۔ اور ہماری دلیل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، نیز یہ کہ خلع ایک عقد معاوضہ ہے لہذا اس میں سلطان کی ضرورت نہیں، جیسے بیع اور نکاح۔ علاوہ ازیں خلع باہمی رضامندی سے عقد نکاح کو ختم کرنے کا نام ہے، لہذا وہ اقالہ کے مشابہ ہے۔

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا عبارت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا صاف مذہب یہ نقل کیا ہے کہ خلع باہمی رضامندی سے ہوتا ہے اور اقالہ کی مثال دے کر یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ جس طرح اقالہ (فسخ بیع) فریقین کے حق میں فسخ معاملہ ہوتا ہے لیکن اس میں باہمی رضامندی ضروری

ہے اور کوئی فریق دوسرے کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اسی طرح خلع بھی فسخِ نکاح ہے لیکن اس میں بھی باہمی رضامندی ضروری ہے اور کوئی فریق دوسرے کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اور علامہ ابن قیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وفی تسمیۃ ﷺ الخلع فدیۃ دلیل علی أن فیہ معنی المعاوضۃ ولهذا اعتبر فیہ رضی الزوجین۔[44]

اور آنحضرت ﷺ نے جو خلع کا نام فدیہ رکھا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں عقدِ معاوضہ کے معنی پائے جاتے ہیں، اسی لئے اس میں زوجین کی رضامندی کو شرط قرار دیا گیا ہے۔

خلع سے عدت طلاق کی طرح ہوتی ہے۔ خلع کی وجہ سے واقع ہونے والی عدت طلاق کی طرح ہو گی جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے:

((عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ رُبَيِّعَ بِنْتَ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ جَاءَتْ هِيَ وَعَمُّهَا إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ فَأَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا «اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا فِي زَمَانِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فَلَمْ يُنْكِرْهُ، وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ» عِدَّتُهَا عِدَّةُ الْمُطَلَّقَةِ))[45]

نافع سے روایت ہے کہ ربیع بنت معوذ بن عفرا اور ان کی پھوپھی عبداللہ بن عمر کے پاس آئیں اور بیان کیا کہ انھوں نے اپنے خاوند سے خلع کیا تھا حضرت عثمان کے زمانے میں جب یہ خبر حضرت عثمان کو پہنچی انھوں نے برا نہ جانا عبداللہ بن عمر نے کہا جو عورت خلع کرے اس کی عدت مطلقہ کی عدت کی طرح ہے۔

طلاق کو مرد کے اختیار میں دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وقوعِ طلاق میں عورت کا بالکل دخل نہیں ہے، عورت کو خلع کا اختیار دیا گیا ہے اگر عورت کو مرد کی شکل و صورت پسند نہ ہو یا کسی اور طبعی نامناسبت کی وجہ سے وہ مرد کو ناپسند کرتی ہو تو وہ اپنا مہر چھوڑ کر یا کچھ اور دے دلا کر شوہر سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَتِ امْرَأَةُ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا أَنْقِمُ عَلَى ثَابِتٍ فِي دِينٍ وَلَا خُلُقٍ، إِلَّا أَنِّي أَخَافُ الْكُفْرَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ؟ فَقَالَتْ: نَعَمْ، فَرَدَّتْ عَلَيْهِ وَأَمَرَهُ فَفَارَقَهَا))[46]

ثابت بن قیس ابن شماس کی بیوی نبی کریم ﷺ کے پاس گئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں ثابت کے خلق اور اس کے دین کے بارے میں کوئی حرف گیری نہیں کرتی، لیکن میں اسلام کے بعد کفر (ناشکری یا شوہر کے حقوق کو ادا نہ کرنا) کو ناپسند کرتی ہوں، رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: کیا تم اس کا باغ واپس کر دو گی؟ (ثابت نے ان کو مہر میں باغ دیا تھا انہوں نے کہا: ہاں! رسول اللہ (ﷺ) نے ثابت سے فرمایا: باغ لے لو اور اس کو طلاق دے دو۔

سید محمد قطب شہید مذکورہ حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

اس حدیث کی روشنی میں یہ ہونا چاہیے کہ جب کسی عورت کو کسی طبعی ناہمواری کی وجہ سے شوہر ناپسند ہو اور یہ نفرت اس قدر بڑھ جائے کہ وہ اس نفرت کی وجہ سے شوہر کے حقوق ادا نہ کر سکے تو پھر وہ قاضی اسلام سے رجوع کرے اور قاضی مہر واپس کر کے شوہر سے طلاق دلا دے یاد رہے کہ یہاں قاضی شوہر سے طلاق دلوائے گا از خود نکاح فسخ نہیں کرے گا۔[47]

فصل سوم: قانون عدت وحضانت اور نفقہ طفلان کے متعلق آراء

مبحث اول: عدت اور اس کے مسائل:

قرآن وسنت کی روشنی میں امت مسلمہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ شوہر کی موت یا طلاق یا خلع کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان جدائیگی ہونے پر عورت کے لئے عدت واجب (فرض) ہے۔ چنانچہ قرآن میں اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَٱلۡمُطَلَّقَٰتُ يَتَرَبَّصۡنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَٰثَةَ قُرُوٓءٖۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكۡتُمۡنَ مَا خَلَقَ ٱللَّهُ فِيٓ أَرۡحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤۡمِنَّ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنۡ أَرَادُوٓاْ إِصۡلَٰحٗاۚ وَلَهُنَّ مِثۡلُ ٱلَّذِي عَلَيۡهِنَّ بِٱلۡمَعۡرُوفِۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيۡهِنَّ دَرَجَةٞۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾[48]

اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی سے) روکے رکھیں، اور اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں (بچہ دانیوں) میں پیدا کیا ہے اور ان کے خاوند اس مدت میں (طلاق رجعی کو) واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں بشرطیکہ ان کا ارادہ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو اور عورتوں کے لیے بھی دستور کے مطابق مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں، اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

مطلقات کی اقسام اور ان کی عدت:

اس آیت میں مطلقات کی عدت تین قروء (تین حیض) بیان کی گئی ہے اور مطلقہ کے کئی افراد ہیں غیر مدخولہ کی سرے سے عدت ہی نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نَكَحۡتُمُ ٱلۡمُؤۡمِنَٰتِ ثُمَّ طَلَّقۡتُمُوهُنَّ مِن قَبۡلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمۡ عَلَيۡهِنَّ مِنۡ عِدَّةٖ تَعۡتَدُّونَهَاۖ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحٗا جَمِيلٗا﴾[49]

اے مسلمانو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر تم ان کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دو تو پھر تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرو، سو تم ان کو کچھ فائدہ پہنچاؤ اور حسن سلوک کے ساتھ انہیں چھوڑ دو۔

اور جو عورت مطلقہ ہو اور حاملہ ہو اس کی عدت وضع حمل ہے:

﴿وَأُوْلَٰتُ ٱلۡأَحۡمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّۚ﴾[50]

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

اور جو عورت مطلقہ ہو غیر حاملہ ہو لیکن صغر سن یا بڑھاپے کی وجہ سے اس کو حیض نہ آتا ہو اس کی عدت تین ماہ ہے:

﴿وَٱلَّٰٓـِٔي يَئِسۡنَ مِنَ ٱلۡمَحِيضِ مِن نِّسَآئِكُمۡ إِنِ ٱرۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَٰثَةُ أَشۡهُرٖ وَٱلَّٰٓـِٔي لَمۡ يَحِضۡنَۚ﴾[51]

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تمہیں اشتباہ ہو کہ انکی عدت کیا ہو گی ؟) تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور جن عورتوں کو ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا (انکی عدت بھی تین ماہ ہے)۔

اور جو مطلقہ عورت مدخولہ ہو، غیر حاملہ ہو، بالغہ اور جوان ہو لیکن باندی ہو اس کی عدت دو حیض ہے، سو اس آیت میں جس مطلقہ عورت کی عدت تین حیض بیان کی گئی ہے وہ ایسی مطلقہ عورت ہے جو مدخولہ ہو، غیر بالغہ اور جوان ہو اور آزاد ہو اور مطلقات کے عموم سے مطلقہ عورتوں کے باقی افراد مستثنیٰ ہیں اس لیے یہ آیت عام مخصوص عند البعض ہے۔

عدت کا لغوی اور شرعی معنی اور عدت کے احکام:

عدت کی لغوی و اصطلاحی تعریف فقہ کی اصطلاح میں:

معنى العدة: العِدَّة بكسر العين جمع عِدَد، وهي لغة: الإحصاء۔[52]

عدت کا لغوی معنی شمار کرنے کے ہیں۔

احناف کے نزدیک:

مدة محددة شرعاً لانقضاء ما بقي من آثار الزواج. وبعبارة أخرى: تربص (أي انتظار) يلزم المرأة عند زوال النكاح أو شبهته۔[53]

وہ مدت جو شرعاً محدود ہے تاکہ ازدواج کے باقی آثار ختم ہو سکیں اور بالفاظ دیگر وہ انتظار جو عورت پر لازم ہوتا ہے نکاح کے زائل ہونے کی وجہ سے یا اس کے شبہ میں۔

جمہور کے نزدیک:

العدة: مدة تتربص فيها المرأة، لمعرفة براءة رحمها، أو للتعبد۔[54]

عدت وہ مدت ہے جس میں عورت اپنے رحم کے خالی ہونے کو معلوم کرنے کا انتظار کرتی ہے یا تعبداً۔

علی محمد انوار البیان میں عدت کی لفظی تحقیق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عدة وعد بروزن فعلة" بمعنی معدود ہے اور اسی بنا پر انسانوں کی گنی ہوئی جماعت کو عدۃ کہتے ہیں اور عورت کی عدت بھی اسی معنی میں ہے یعنی اس کے گنے ہوئے دن۔ عورت کی عدت سے مراد وہ ایام کہ جن کے گزر جانے پر اس سے نکاح کرنا حلال ہو جاتا ہے۔[55]

مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ عدت کے متعلق لکھتے ہیں:

عدت، نکاح زائل ہونے یا شبہ نکاح کے بعد عورت کا نکاح سے ممنوع ہونا اور ایک مخصوص مدت تک انتظار کرنا عدت ہے۔[56]

اگر بیوہ یا طلاق شدہ عورت اپنے سابقہ شوہر سے حاملہ ہو تو اس عرصے میں حمل کی علامات واضح ہو جاتی ہیں اور ہونے والے بچے کی وراثت طے ہو جاتی ہے۔ اور علامہ ابن عابدین عدت کا لغوی و اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عدت کا لغوی معنی ہے: گننا اور شمار کرنا اور اس کا اصطلاح شرع میں یہ معنی ہے کہ زوال نکاح کے بعد عورت کا شوہر کے مکان میں ایک مدت معینہ تک ٹھہرنا اور انتظار کرنا۔ عورت کے حق میں عدت کا رکن یہ ہے کہ دوران عدت اس کا گھر سے باہر نکلنا حرام ہے، اور دوران عدت نکاح کرنا یا نکاح کا پیغام کرنا حرام ہے اور مرد پر لازم ہے کہ وہ عدت کے زمانہ میں عورت کو رہائش اور کھانے کا خرچ مہیا کرے۔ اگر اس نے تین طلاقیں دی ہیں تو مطلقہ اس کے گھر میں اجنبی عورت کی طرح رہے گی اور اس سے پردہ کرے گی۔ عدت کے دوران مرد پر مطلقہ کی بہن، اس کی پھوپھی، اس کی خالہ، اس کی بھتیجی اور اس کی بھانجی سے نکاح کرنا حرام ہے، اسی طرح اگر مطلقہ اس کی چوتھی بیوی تھی اور بقیہ تین اس کے نکاح میں ہیں تو اب وہ دوران عدت مزید کسی عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔[57]

مبحث سوم: حضانت کا معنی و مفہوم

حضانۃ حضن سے ماخوذ ہے یہ بغل سے نیچے پہلو تک ہے۔ چیز کے دو حضن سے مراد اس کی دو جانب ہیں۔ حضن الطائر بیضۃ پرندے نے اپنے انڈے کو پروں تلے لے لیا۔ حضنت المراۃ ولدھا۔ عورت نے بچہ گود میں لیا۔ احضن اس نے اسے گود لیا یا زیر تربیت۔

حاضنۃ الصبی "التی تقوم علیہ فی تربیتہ۔[58]

فقہاء نے اس کی تعریف کی ہے کہ یہ بچے یا بچی اس نا سمجھ کی حفاظت کی ذمہ داری سے عبارت ہے جو سمجھ نہ رکھتا ہو اور نہ معاملہ خود کر سکے۔ جو چیز اس کو فائدہ دے اس کا اہتمام، جو چیز اسے ایذا اور ضرر دے اس ذمہ داری سے اسے بچانا اور اس کی جسمانی، روحانی اور عقلی تربیت ہے تا کہ وہ زندگی کے بوجھوں کو اٹھانے اور اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ بر آ ہونے کی صلاحیت پالے۔ حضانۃ صغیر یا صغیرہ کے لئے لازم ہے کیونکہ اس میں غفلت بچے کو تباہی اور ضیاع کے سپرد کر دے گی۔[59]

بچے پر تین ولایتیں ہیں۔ (1) ولایت تربیت (2) ولایت نفس (3) ولایت مال۔

پہلا دور دور تربیت ہے اور یہ دور عورتوں کے لئے ہے اس کو حضانت کا نام دیا گیا ہے۔

ابو زہرہ لکھتے ہیں:

فالحضانۃ ھی تربیۃ الولد فی المدۃ التی لا یستغنی فیھا عن النساء ممن لھا الحق فی تربیۃ شرعا، وھی حق الام، ثم لمحارمہ من النساء۔[60]

حضانت سے مراد بچہ کی تربیت کرنا ہے اس مدت میں جس میں وہ بچہ عورتوں سے بے نیاز نہیں ہوتا اس حق تربیت سے جو شرعی طور پر اس کے لیے۔ اور یہ ماں کا حق ہے پھر اس کی محرم عورتوں کا۔

عبد الوھاب خلاف أحکام الاحوال الشخصیۃ في الشریعۃ الإسلامیۃ میں لکھتے ہیں:

الحضانة شرعا تربية الطفل والقيام بشئونه في سن معينة ممن له حق في تربيته من محارمه.[61]

حضانت شرعی طور پر بچے کی تربیت اور اس کے معاملات کی دیکھ بھال کرنا ہے ایک مقررہ عمر میں اور یہ اس کے محارم میں سے اس کی تربیت کرنے کا جس کو حق ہے۔

عبد الرحمن الجزیری لکھتے ہیں:

معناها لغة مصدر حضنت الصغير حضانة تحملت مؤنته وتربيته، وفى الشرع حفظ الصغير والعجز والمجنون والمعتوه مما يضره بقدر المستطاع والقيام على تربيته ومصالحه، من تنظيف وإطعام، وما يلزم راحته.[62]

حضانت مصدر ہے جس کے لغوی معنی ہیں تعلیم وتربیت کی ذمہ داری لینا۔ شرعی اصطلاح میں اس کے معنی بچہ، معذور اور نیم مجنون کو بقدر امکان نقصان رساں چیزوں سے بچانا اور اس کی تربیت اور بہبود مثلاً صفائی، خوراک اور ضروری آرام وغیرہ کا خیال رکھنا۔

تربیت کا بہترین طریقہ تو یہ ہے کہ بچہ اپنے ماں باپ دونوں کے زیر سایہ پرورش پائے دونوں کے ذمہ داری میں بچہ بہترین ماحول میں پرورش پاتا ہے۔ اور اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے۔ اور اگر نا گزیر حالات کی صورت میں زوجین میں علیحدگی ہو جاتی ہے تو ماں بچہ کی پرورش کی پہلی حق دار ہو گی۔ مگر اس سے متعلق ہمیں قرآن پاک میں کوئی آیت نہیں ملتی البتہ فقہاء نے نص کے طور پر آیت رضاعت سے ثابت کیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَٱلۡوَٰلِدَٰتُ يُرۡضِعۡنَ أَوۡلَٰدَهُنَّ حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِۖ لِمَنۡ أَرَادَ أَن يُتِمَّ ٱلرَّضَاعَةَۚ وَعَلَى ٱلۡمَوۡلُودِ لَهُۥ رِزۡقُهُنَّ وَكِسۡوَتُهُنَّ بِٱلۡمَعۡرُوفِۚ لَا تُكَلَّفُ نَفۡسٌ إِلَّا وُسۡعَهَاۚ لَا تُضَآرَّ وَٰلِدَةُۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوۡلُودٞ لَّهُۥ بِوَلَدِهِۦۚ وَعَلَى ٱلۡوَارِثِ مِثۡلُ ذَٰلِكَۗ﴾[63]

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے، کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے، (اور) نہ ماں کو اس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے سبب سے، اور وارثوں پر بھی یہی حکم عائد ہو گا۔

مذکورہ آیت مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو دو سال تک دودھ پلائیں وہ جو زمانہ رضاعت مکمل کرنا چاہے۔ لہٰذا اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صغیر سنی میں بچے کی پرورش کی زیادہ حقدار ماں ہو گی۔

شریعت اسلامی میں حضانت کا حکم :

فقہاء کرام نے آیت رضاعت کے ساتھ ساتھ درج ذیل مختلف احادیث سے بھی استدلال کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں:

((لما خرجنا مِنْ مكة تبعتنا بنتُ حمزة، تنادي: يا عمُّ يا عمُّ، فتناولها علي، فأخذ بيدها،وقال:دُونَكِ بنتَ عَمك،فحملتها، فقصَّ الخبرَ،قال:وقال جعفر:ابنة عمي، وخالتُها تحتي، فقضى بها النبي صلَّى الله عليه وسلم لخالتها، وقال:الخالةُ بمنزلةِ الأمِّ))[64]

جب ہم (فتح مکہ کے بعد) مکہ سے نکلے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے آپ ﷺ کا پیچھا کیا اور آواز دی۔ اے چچا اے چچا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا اپنے چچا کی بیٹی کو لو۔ چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کو اٹھا لیا۔ آپ نے فرمایا اور جعفر نے کہا (یہ) میرے چچا کی بیٹی اور اس کی خالہ میرے گھر ہے تو نبی کریم ﷺ نے اس بچی کا اس کی خالہ کے حق میں فیصلہ کیا اور فرمایا: خالہ ماں کے درجے میں ہے۔

عمر بن شعیب نے اپنے باپ اور ان کے باپ نے اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو سے روایت کی کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:

((يا رسولَ الله إن ابني هذا كان بطني له وعاءً، وثدي له سِقاءً، وحجري له حِواءً، وإن أباه طلقني، وأراد أن ينتزعه مني،فقال لها رسول الله صلَّى الله عليه وسلم:"أنتِ أحق به ما لم تنكحي))[65]

اے اللہ کے رسول! میرا یہ بیٹا میرا پیٹ اس کے لیے برتن تھا اور میری گود اس کے لیے پناہ گاہ تھی اور میری چھاتی اس کے سیراب ہونے کا ذریعہ تھی اور اس کے باپ کا خیال ہے وہ اس کو مجھ سے لے لے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: آپ اس کی زیادہ حق دار ہیں جب تک کہ آپ نکاح نہ کر لیں۔

ہم سے عبد الحمید بن جعفر نے بیان کیا، مجھے میرے والد نے میرے دادا رافع بن سنان سے روایت کیا کہ:

((أنه أسلَمَ، وأبَتِ امرأتُه أن تُسْلِمَ، فأتتِ النبيَّ - صلَّى الله عليه وسلم-فقالت: ابنتي،وهي فَطِيمٌ أو شبهه، وقال رَافِعٌ: ابنتِي، فقال له النبيُّ صلَّى الله عليه وسلم:اقعُدْ ناحيةً" وقال لها:اقعُدِي نَاحِيةً" قال: وأقعَدَ الصبيّةَ بينهما،ثم قال:"ادعُواها" فمالت الصبيةُ إلى أُمها، فقال النبيُّ صلَّى الله عليه وسلم"اللهُمَّ اهدِهَا" فمالتْ إلى أبيها، فأخَذَهَا))[66]

رافع بن سنان نے اسلام قبول کیا اور ان کی بیوی نے اسلام لانے سے انکار کیا پس وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ میری بیٹی کا دودھ چھوٹ گیا اور رافع نے کہا کہ وہ میری بیٹی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے رافع سے کہا کہ ایک طرف بیٹھ جاؤ اور کہا کہ بچی کو درمیان میں بٹھاؤ پھر کہا کہ تم دونوں بلاؤ پس وہ بچی اپنی ماں کی طرف مائل ہوئی۔ پس نبی کریم ﷺ نے دعا کی، کہ اے اللہ اس لڑکی کو ہدایت فرمائیں وہ اپنے باپ کی طرف مائل ہو گئی۔ چنانچہ رافع نے اس سے بیٹی کو لے لیا۔

ابو میمونہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے پس ابو ہریرہ نے کہا کہ:

((قَالَ:بَيْنَا أَنَا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ، فَقَالَ:"إِنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ:فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي إِنَّ زَوْجِي يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي، وَقَدْ نَفَعَنِي وَسَقَانِي مِنْ بِئْرِ أَبِي عِنَبَةَ،فَجَاءَ زَوْجُهَا،وَقَالَ:مَنْ يُخَاصِمُنِي فِي ابْنِي، فَقَالَ:" يَا غُلَامُ،هَذَا أَبُوكَ وَهَذِهِ أُمُّكَ، فَخُذْ بِيَدِ أَيِّهِمَا شِئْتَ،فَأَخَذَ بِيَدِ أُمِّهِ، فَانْطَلَقَتْ بِهِ))[67]

ابو میمونہ کہتے ہیں کہ ہم ایک دن ابو ہریرہ کے پاس تھے تو انہوں نے بتایا کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! میرا شوہر میرا بیٹا مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے جب کہ مجھے اس سے فائدہ (و آرام) ہے، وہ مجھے عنبہ کے کنویں کا پانی (لا کر) پلاتا ہے، (اتنے میں) اس کا شوہر بھی آ گیا اور اس نے کہا: کون میرے بیٹے کے معاملے میں مجھ سے جھگڑا (اور اختلاف) کرتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے (اس کے بیٹے سے کہا:) اے لڑکے! یہ تمہارا باپ ہے اور یہ تمہاری ماں ہے، تو تم جس کے ساتھ رہنا چاہو اس کا ہاتھ پکڑ لو چنانچہ اس نے اپنی ماں کا ہاتھ تھام لیا اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گئی۔

عمارۃ الجرمی سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ:

((خَيَّرَنِي عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ،بَيْنَ أُمِّي، وَعَمِّي،ثُمَّ قَالَ لِأَخٍ لِي أَصْغَرَ مِنِّي: وَهَذَا أَيْضًا لَوْ قَدْ بَلَغَ مَبْلَغَ هَذَا لَخَيَّرْتُهُ))[68]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے اختیار دیا ماں اور چچا کے درمیان، پھر میرے چھوٹے بھائی کے لئے کہا جو مجھ سے چھوٹا تھا اور یہ ایسا ہی ہے۔ اگر اس عمر کو پہنچے گا اس کو یہی اختیار دوں گا۔

خلاصۂ کلام

اس تحقیق کا بنیادی حاصل اور نچوڑ یہ ہے کہ اسلامی قانونِ عائلہ محض سزا یا یکطرفہ فیصلوں کا مجموعہ نہیں، بلکہ یہ خاندانی تنازعات کے حل، حقوق کے تحفظ اور انسانی کرامت کی بحالی کے لیے ایک نہایت متوازن اور جامع فریم ورک فراہم کرتا ہے۔

تحقیق کے بنیادی نتائج اور سفارشات کا خلاصۂ کلام درج ذیل اہم نکات پر محیط ہے:

طلاق و خلع میں اعتدال: طلاق کو شریعت نے ناپسندیدہ ترین مباح قرار دیا ہے، جبکہ خلع عورت کا وہ شرعی حق ہے جو اسے غیر موافق عقد سے باوقار آزادی دیتا ہے۔ تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ معاصر عدالتوں کو طلاق و خلع کے فیصلوں سے قبل سنجیدہ مصالحتی کوششوں کو قانونی طور پر لازم بنانا چاہیے تاکہ خاندانی شکست وریخت کو کم سے کم کیا جا سکے۔

عدت کی شرعی و سماجی افادیت: عدت محض ایک بظاہر رکاوٹ یا انتظار کی مدّت نہیں، بلکہ یہ نہ صرف ثبوتِ نسب اور رحم کی پاکیزگی کی یقینی علامت ہے، بلکہ فریقین کو جذبات سے نکل کر اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی اور رجوع کا سنہری موقع بھی فراہم کرتی ہے۔

حضانت میں بچے کی فلاح (Best Interests of the Child): حضانتِ اطفال کے معاملے میں کلاسیکی فقہ اور معاصر قوانین کا بنیادی محور بچے کی فلاح، بہترین تربیت اور نفسیاتی و جسمانی تحفظ ہے۔ حقوقِ والدین کے نزاع میں بچے کے مفاد کو کسی صورت قربان نہیں کیا جاسکتا۔

نفقہ کا فوری اور مؤثر نظام: مطلقہ اور بچوں کا نفقہ شوہر/باپ کی شرعی و اخلاقی ذمہ داری ہے۔ معاصر عدالتی نظام میں نفقے کے حصول کی پیچیدگیوں اور تاخیر کو ختم کرنے کے لیے فوری عبوری نفقہ (Interim Maintenance) اور ریاستی نفاذ کے نظام کو مزید مضبوط بنانا ناگزیر ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ عائلی مسائل کے حل میں درپیش دورِ حاضر کی بیشتر پیچیدگیاں شرعی احکام کی خامیاں نہیں، بلکہ عدالتی طریقہ کار کی تاخیر، سماجی رویوں کی تلخی اور رسوم و رواج کا نتیجہ ہیں۔ اگر فقہی اصولوں کو معاصر آئینی و انتظامی فریم ورک کے ساتھ ملا کر نافذ کیا جائے، تو مظلوم فریق کی دادرسی اور خاندانی انصاف کا قیام یقینی بنایا جاسکتا ہے۔

حوالہ جات

---

[1] محمّد مرتضى الحسينى الزَّبيدى، **تاج العروس من جواهر القاموس** (بيروت: دارالفكر، 1993ء) 425/6۔

[2] ابن نجيم، **البحر الرائق شرح كنز الدقائق**، 252/3۔

[3] القرآن 13:21

[4] القرآن 23-13:24

[5] محمد بن اسماعيل البخارى، **الجامع الصحيح**، كتاب الادب، باب اكرام الضيف وخدمته اياه بنفسه، حديث: 6138، 32/8۔

[6] ابو داؤد سليمان بن اشعث، **السنن**، كتاب تفريع ابواب الطاق، باب فى كراهية الطلاق، حديث: 2178، 505/3۔

[7] القرآن 2:280

[8] القرآن 2:280

[9] مالك بن أنس بن مالك، **المدونة** (بيروت: دار الكتب العلمية، 1994ء، الطبعة: الأولى)، 180/2۔

[10] النووى، **المجموع شرح المهذب**، 269/18۔

[11] ابن قدامة، **المغنى لابن قدامة**، 198/8۔

[12] ايضاً، 201/8۔

[13] محمد بن عيسى ترمذى، **السنن**، كتاب المناقب عن رسول الله ﷺ، باب فضل ازواج النبى ﷺ، حديث: 3895، 188/6۔

[14] القرآن 4:20

[15] محمد بن اسماعيل البخارى، **الجامع الصحيح**، كتاب بدء الخلق، باب اذا قال احدكم آمين، والملائكة فى السماء ، فوافقت احداهما الاخرى، غفرله ماتقدم من ذنبه، حديث: 3237، 32/4۔

[16] ابو داؤد سليمان بن اشعث، **السنن**، كتاب تفريع ابواب الطلاق، باب فى الخلع، حديث: 2226، 504/3۔

[17] الحصكفي، **الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار**، 766/2۔

[18] ابن الهمام، **فتح القدير على الهداية**، 199/3۔

[19] احمد بن محمد ابن جزي الكلبي، **القوانين الفقهية**، (مكتبه الشاملة: 1431ھ)، 232۔

[20] الخطيب، **مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج**، 262/3۔

[21] القرآن 2:229

[22] القرآن 4:128

[23] محمد بن عيسى ترمذى، **السنن**، كتاب الطلاق واللعان عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء فى المختلعات، حديث:1186، 461/2۔

[24] محمد بن اسماعيل البخارى، **الجامع الصحيح**، كتاب الطلاق، باب الخلع وكيف الطلاق فيه، حديث:5273، 46/7۔

[25] الزحیلی، **الفقہ الاسلامی وادلتہ**، 701/9۔

[26] الزحیلی، **الفقہ الاسلامی وادلتہ**، 702/9۔

[27] ایضاً، 721/9

[28] ایضاً۔

[29] ایضاً، 722/9۔

[30] ایضاً۔

[31] الزحیلی، **الفقہ الاسلامی وادلتہ**، 722/9۔

[32] ایضاً۔

[33] ایضاً، 723/9۔

[34] المرغيناني، **الهداية في شرح بداية المبتدي**، 261/2۔

[35] القرآن 4:20

[36] على بن عمر بن احمد الدارقطنى، **سنن الدارقطنى**، جعل الخلع تطليقة بائنة، حديث:4025، 83/5۔

[37] السرخسى، **المبسوط**، 173/6۔

[38] سليمان بن خلف الباجى، **المنتقى شرح الموطإ**، (مصر: مطبعة السعادة، 1332ھ، الطبعة: الأولى) 61/7۔

[39] ابن رشد، **بداية المجتهد ونهاية المقتصد**، 68/2۔

[40] الشافعي، **الأم**، 200/5۔

[41] ابراهيم بن على الشيرازى، **المهذب في فقه الإمام الشافعي**، (لبنان: دار الكتب العلمية، 1431ء)، 71/2۔

[42] ابن رشد، **بداية المجتهد ونهاية المقتصد**، 69/2۔

[43] ابن قدامة، **المغني لابن قدامة**، 52/8۔

[44] محمد بن أبي بكر بن أيوب ابن قيم، **زاد المعاد في هدي خير العباد**، (بيروت: مؤسسة الرسالة، 1994ء)، 238/2۔

[45] محمد بن اسماعيل البخارى، **الجامع الصحيح**، كتاب الطلاق، باب من خير النساءه، حديث:5263۔ 25/7۔

[46] ايضاً، باب الخلع وكيف الطلاق فيه، حديث:5276، 47/7۔

[47] سید قطب شہید، **فی ظلال القرآن**، (لاہور: الفیصل پبلی کیشنز، 1965ء)، 199/2۔

[48] القرآن 2:228

[49] القرآن 33:49

[50] القرآن 65:4

[51] القرآن 65:4

[52] وہبہ زحیلی، **الفقہ الاسلامی وادلتہ**، 9/7165۔

[53] ایضاً، 9/7166۔

[54] ایضاً۔

[55] علی محمد، **انوار البیان فی حل لغات القرآن**، (لاہور: مکتبہ سید احمد شہید، 2005ء)، 4/331، القرآن 65:1۔

[56] محمد امجد علی اعظمی، **بہار شریعت**، (کراچی: مکتبۃ المدینہ باب المدینہ، 1429ھ)، 2/234۔

[57] ابن عابدین، **رد المحتار**، 2/598-599۔

[58] اسماعیل بن حماد الجوهری، **الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية**(بيروت:دار العلم للملايين، 1987ء، الطبعة:الرابعة)5/522۔

[59] سيد سابق، **فقه السنة**، (بيروت:دار الكتاب العربي، 1977ء، الطبعة: الثالثة)2/228۔

[60] محمد محی الدين ابوزہرہ، **الاحوال الشخصية**، 404۔

[61] عبد الوهاب خلاف، **أحكام الأحوال الشخصية في الشريعة الإسلامية**، (القاهرة:دارالكتب المصرية، 1938ء، الطبعة:الثانية)1/201۔

[62] عبد الرحمن بن محمد الجزيري، **الفقه على المذاهب الأربعة**(بيروت:دار الكتب العلمية، 2003ء، الطبعة:الثانية)4/594۔

[63] القرآن 2:233

[64] ابو داؤد سليمان بن اشعث، **السنن**، كتاب تفريع ابواب الطلاق، باب من احق بالولد، حديث: 2280، 3/591۔

[65] ايضاً، حديث:2276، 3/588۔

[66] ابو داؤد سليمان بن اشعث، **السنن**، كتاب تفريع ابواب الطلاق، باب من احق بالولد، حديث:2244، 3/559۔

[67] احمد بن شعيب نسائى، **السنن**، كتاب الطلاق، باب: اسلام احد الزوجين وتخيير الولد، حديث:3526۔

[68] احمد بن شعيب البيهقي، **السنن الكبرى**، حديث:15761، 8/6۔